© rasailojaraid.com

تلخی اور یہ تندی اختیار نہیں کی ہے۔ انسان انسان سے بارہا لڑا ہے، مگر لڑائی میں کمینہ پن اور بدمعاشی کا جو مظاہرہ یہاں ہوا ہے، یہ اپنی نظیر بس آپ ہی ہے۔ یہاں انسان صورت جانوروں نے وہ وہ کام کئے ہیں کہ اگر کتوں اور بھیڑیوں پر ان کا الزام تھوپ دیا جائے تو وہ بھی اسے اپنی توہین محسوس کریں۔ اور یکر تو ت چند گنے چنے بدمعاشوں کے نہیں تھے بلکہ پوری پوری قوموں نے اپنے آپ کو بدمعاش ثابت کیا، باقاعدہ حکومتیں بدمعاش بن گئیں، بڑے بڑے لیڈروں اور رئیسوں اور وزیروں نے بدمعاشی کی اسکیم سوچی اور حکومتوں کے پورے نظم و نسق نے اپنے مجسٹریٹوں اور اپنی پولیس اور اپنی فوج کے ذریعہ سے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنایا۔ دو سال پہلے تک ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس کی آبادی کا اخلاقی زوال اس انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ نفیس لباسوں اعلیٰ ڈگریوں اور بڑے ناموں کے پردے میں جو شخصیتیں چھپی ہوئی تھیں ان کو ہم شرفا میں شمار کرتے تھے۔ عام آبادی کے پر امن رویے کو دیکھ کر ہم سمجھتے تھے کہ یہ جیتے انسانوں کی بستیاں ہیں۔ مگر افسوس کہ واقعات نے اس سارے حسن ظن کا پردہ دیاک کر دیا۔ معلوم ہوا کہ پہلے جو کچھ ہم دیکھ رہے تھے وہ محض انگریز کی سنگین کا کرشمہ تھا۔ اس سنگین کے ہٹتے ہی یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ ملک لاکھوں کروڑوں ڈاکوؤں، لٹیروں، قاتلوں، زانیوں اور سخت کمینہ صفت ظالموں سے بھرا ہوا تھا۔

کیا یہ سب کچھ جو واقع ہوا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا؟ — جو لوگ پچھلے تیس سال سے اس ملک کی رہنمائی کرتے رہے ہیں، اور جن کی قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوا ہے، وہ ایسا ہی کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اس فساد عظیم کے اسباب کی بحث کو باتوں میں ٹالنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کی ایک شاعرانہ توجیہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ کشت و خون اور ظلم و ستم کا یہ مظاہرہ کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے جس پر کچھ فکر مند ہونے کی ضرورت ہو، یہ تو ایک آزاد قوم کی ولادت کے درد ہیں جو ایسے موقع پر ہوا ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ ولادت کے درد ہی تھے تو یہ دنیا کو ایک نئے درندے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے تھے نہ کہ ایک انسان کے تولد کی۔ انہوں نے دنیا کو جو اطلاع دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ اس بات کی نہ تھی کہ کچھ انسان ہیں جن کا بندِ اسیری ٹوٹتا ہے بلکہ در اصل یہ اس بات کی اطلاع تھی کہ کچھ بھیڑیے قید تھے جن کا پنجرہ کھل گیا ہے۔ اس کے بعد لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندوستان کے باشندے اپنی فطرت اور اپنے مزاج ہی کے لحاظ سے کمینے، بدمعاش اور سفاک ہیں، یا ان کو ایسا بنا دیا گیا ہے؟ پہلا الزام ثابت کرنے کے لئے اس سے زیادہ قوی ثبوت کی ضرورت ہے جو پچھلے دو سال کے واقعات نے فراہم کیا ہے۔ آخر ہندوستانیوں کی پچھلی ہزاروں برس کی تاریخ موجود ہے۔ اپنے ماضی میں انہوں نے کب ایسی ذلیل صفات کا مظاہرہ کیا تھا؟ پھر اگر یہ الزام ثابت نہیں ہے تو یقیناً دوسرا الزام آپ سے آپ ثابت ہے، یعنی یہ کہ ہمارے ملک کی آبادی کو اس اخلاقی پستی کے گڑھے میں گرایا گیا ہے۔ یہی وہ نتیجہ ہے جس سے بچنے کے لئے پچھلے دردناک واقعات کے اسباب کی بحث کو باتوں میں اڑانے کی کوشش کی جاتی ہے، کیونکہ یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنہوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔

ہندوستان میں سیاسی بیداری کی ابتدا مغربی تعلیم و تہذیب کے زیر اثر ہوئی۔ اس تعلیم اور تہذیب نے دو تحفے ہمارے ملک کے کار فرما دماغوں اور کارکن ہاتھوں کو دیے۔ ایک قومیت کا احساس اور قوم پرستی کا جذبہ۔ دوسرے مادہ پرستانہ اخلاق۔

پہلی چیز کو لیکر یہاں کے سیاسی لیڈروں نے "ہندوستانی قومیت" کا ایک مصنوعی تخیل پیدا کرنے کی کوشش کی، مگر چونکہ اس کے لئے کوئی حقیقی بنیاد موجود نہ تھی اس لئے قومیت کی حس بیدار کرنے کی جتنی کوششیں کی گئیں ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں اُن مختلف گروہوں میں اپنی جداگانہ قومیتوں کا شعور جاگ اٹھا جو فی الحقیقت اپنے اندر قومیت کے فطری عناصر رکھتے تھے۔ اس طرح چالیس پچاس سال کی تبلیغ قومیت نے اس ملک میں ایک کے بجائے بہت سی چھوٹی بڑی قومیتیں پیدا کر دیں، جن میں سے تین — یعنی ہندو قومیت، مسلم قومیت اور سکھ قومیت — زور کی طرح بر سر کار آ کر اپنا کھیل کھیل چکی ہیں، اور باقی بہت سی صوبائی اور لسانی قومیتیں ابھی دوران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تخلیق میں ہیں۔ پھر سیاسی اختیارات حاصل کرنے کے لئے برطانوی اقتدار کے خلاف جوں جوں جدوجہد ہو رہی تھی اس کا قدم جتنا جتنا آگے بڑھتا گیا، ان مختلف قومیتوں کے درمیان آپس کی کشمکش اتنی ہی تیز تر اور تلخ تر ہوتی چلی گئی۔ اس کشمکش نے ان میں سے ہر ایک کے اندر قوم پرستی کا شعلہ بھڑکا دیا اور ایک کی طرف سے دوسرے کے قومی حوصلوں کی مزاحمت جتنی بڑھتی اتنی ہی قومی عداوت ان کے درمیان بڑھتی چلی گئی۔

دوسری طرف مادہ پرستانہ اخلاق کا جو درس مغربی تعلیم و تہذیب سے لیا گیا تھا وہ بادلے کتے کے زہر کی طرح سارے ملک کی رگ رگ میں پھیل گیا۔ اس نے دلوں کو خدا ترسی اور خدا شناسی سے خالی کر دیا، شرافت اور انسانیت کی جڑیں ہلا دیں اور ان تمام اخلاقی قدروں کو ختم کر دیا جو اس ملک کے لوگوں نے اپنے قدیم مذاہب سے پائی تھیں۔ یہ اس نئے اخلاق ہی کا کرشمہ تھا کہ پچھلے پچیس سال میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کی قومی کشمکش روز بروز زیادہ سے زیادہ رذالت کے راستوں پر بڑھتی چلی گئی۔ بڑے بڑے لیڈروں نے بے حیائی کے ساتھ ایمان بیچ بیچ کر قومی خودغرضیوں کے تقاضے پورے کئے۔ بڑی بڑی ذمہ دار سیاسی جماعتوں نے حق اور انصاف سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے کے خلاف جوڑ توڑ کئے۔ ملک بھر کے اخبارات نے انتہائی بے شرمی کے ساتھ جھوٹے پروپیگنڈے کئے، گالم گلوچ کا طوفان برپا کیا، اور نفرت و عداوت کی شراب پلا پلا کر اپنی اپنی قوموں کو بدمست کر دیا۔ پھر دونوں مخالف گروہوں کے افراد نے سرکاری محکموں میں، منڈیوں اور بازاروں میں، اور زندگی کے ہر کاروبار میں ایک دوسرے کے خلاف کھلی کھلی بے انصافیاں اور حق تلفیاں کیں اور ہر اس بے ایمانی کو اپنے لئے نیکی اور کار ثواب بنا لیا جو حریف قوم کے کسی فرد کے ساتھ کی جائے۔ واقعات کی یہ رفتار صاف بتا رہی تھی کہ اس ملک کا اخلاقی زوال کس پستی کی طرف بہا چلا جا رہا ہے۔

یہی دو اسباب ہیں جنہوں نے مل جل کر وہ ہولناک نتائج پیدا کئے جو ہماری آنکھیں ابھی ابھی دیکھ چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری سے وہ لوگ بری نہیں ہو سکتے جو اس دور میں یہاں کی مختلف قوموں کے رہنما اور سربراہ کار رہے ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک طرف اپنی اپنی قوم کے لوگوں میں قومی خواہشات برانگیختہ کیں اور دوسری طرف قومی اخلاق کو سنبھالنے کے لئے کچھ نہ کیا۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اسے گرایا اور گرنے میں خود اس کی پیشوائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لی۔ اگر یہ اس کھیل کے نتائج سے بے خبر تھے تو سخت اناڑی تھے۔ ایسے اناڑی اس قابل نہیں ہیں کہ کروڑوں انسانوں کی قسمتوں کے ساتھ بازی گری کرنے کے لیئے انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر انہوں نے جان بوجھ کر یہ سارا کھیل کھیلا تو درحقیقت یہ انسانیت کے اور خود اپنی قوم کے دشمن ہیں، ان کا صحیح مقام پیشوائی کی مسند نہیں بلکہ عدالت کا کٹہرا ہے جہاں ان کے اعمال کا محاسبہ ہونا چاہیئے۔

یہ خیال کرنا سخت حماقت ہے کہ جو کچھ ہو گذرا وہ اس قومی کشمکش کا آخری باب تھا، اور یہ کہ اب تقسیم ملک کے بعد تاریخ ایک صحیح راستے پر چل پڑیگی۔ ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۵ اگست ۴۷ء کی تقسیم سے یہاں جو دو مملکتیں بنی ہیں، انہوں نے ذہنی خود غرضی اور اخلاقی پستی کا وہ سارا زہر میراث میں پایا ہے جو قبل تقسیم کے ہندوستان کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ اور ان دونوں مملکتوں کی پیدائش کا آغاز جن بدبختانہ حالات میں ہوا ہے وہ ان کی آئندہ تاریخ پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے۔ نئی سیاسی سرحد کے دونوں جانب جو دو قومیں آباد ہیں ان کے دل ایک دوسرے کے خلاف انتقام اور عداوت کے تلخ ترین جذبات سے لبریز ہیں ــــ خصوصاً سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان تو وہ دشمنی پیدا ہو چکی ہے جو شاید اس وقت کہیں بھی دنیا کی دو قوموں کے درمیان نہیں پائی جاتی ــــ مسلمان، ہندو اور سکھ ایک دوسرے کو وہ چرکے لگا چکے ہیں جن کے زخم مدتوں رستے رہینگے۔ اور اب وہ کسی غیر قوم کے ماتحت بے بس نہیں ہیں بلکہ اپنی اپنی آزاد مملکتیں رکھتے ہیں۔ اگر اب ان دونوں مملکتوں کے باشندوں کو ہوش نہ آیا، اگر اب بھی ان کی لیڈرشپ تبدیل نہ ہوئی اور اگر اس نئے دور میں بھی ان کے معاملات انہی اندھی اور گندی قوم پرستی پر اور انہی مادہ پرستانہ اخلاق پر چلتے رہے جس پر اب تک وہ چلے ہیں، تو آئندہ ان با اختیار قوموں کی کشمکش بہت زیادہ بڑے پیمانے پر بدرجہا زیادہ تلخ نتائج پیدا کریگی۔ پہلے جو گالم گلوچ اخباروں کے کالموں میں ہوتی تھی وہ اب بین الاقوامی چوراہے پر ہو گی۔ پہلے جو چھوٹے چھوٹے معرکے دفتروں اور منڈیوں میں برپا ہوا کرتے تھے اب وہ دو سلطنتوں کے درمیان سیاسی رسہ کشی اور معاشی رقابت کی شکل میں برپا ہونگے۔ اور پھر اگر خدانخواستہ ان دونوں قوموں کے درمیان کبھی جنگ ہو گئی تو یقیناً وہ ایسی سخت انتقامی جنگ ہو گی جو اپنی وحشت و بربریت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تاریخ انسانی کی بدترین لڑائیوں کو بھی مات کر دیگی۔

لہٰذا اب پاکستان اور ہندوستان دونوں کے مستقبل کی بہتری کا انحصار اس بات پر ہے کہ اگر ان کی آبادیوں میں شریف معقول اور خدا ترس انسانوں کا کوئی عنصر موجود ہے تو وہ منظم ہو کر اٹھے، اپنی اپنی قوم کی حیثیت بدلنے کی کوشش کرے، اور موجودہ قیادتوں کو بدل کر ایسے طریقے پر دونوں ملکوں کے معاملات چلائے جس سے ان کے تعلقات شریفانہ ہمسائگی اور منصفانہ تعاون پر قائم ہو سکیں۔

اب ذرا ایک نظر تقسیم کے اس ڈرامے پر بھی ڈال لیجیے جو پچھلے سال یہاں کھیلا گیا ہے، تاکہ آپ کو ان لیڈروں کی سیاسی دانائی کا حال معلوم ہو جائے جن کی مہارتِ فن کا شہرہ ایک مدت سے ہم سن رہے تھے۔ اس ڈرامے کے اصل اداکار تین تھے، انگریز، کانگریس، اور مسلم لیگ۔ ان تینوں کے کام کا جائزہ لے کر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو کیا ثابت کیا ہے۔

انگریزوں کے لیے جنگ عظیم کے پیدا کردہ مسائل اور ہندوستان کی سیاسی بیداری نے جو سوال پیدا کر دیا تھا وہ یہ تھا کہ آیا اس ملک پر آخر وقت تک قاہرانہ تسلط رکھا جائے یہاں تک کہ زبردستی نکالے جانے کی نوبت آ جائے، یا وہ وقت آنے سے پہلے ہی باہمی رضامندی سے یہ ملک چھوڑ دیا جائے۔ پہلی صورت میں وہ مزید چند سال تک اس ملک پر قبضہ رکھ سکتے تھے، مگر اس عارضی فائدے کا مستقل نقصان یہ تھا کہ زبردستی نکالے جانے کے بعد انہیں ان تمام فائدوں سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو لینا پڑتا جو ہندوستان سے اٹھائے جا سکتے تھے۔ دوسری صورت میں برٹش امپائر کا بظاہر خاتمہ تھا، مگر آزاد ہندوستان سے فائدہ اٹھانے کے امکانات باقی رہتے تھے۔ ان دونوں صورتوں کے فوائد اور نقصانات کا موازنہ کر کے انگریزی قوم نے ٹھنڈے دل سے دوسری صورت کو انتخاب کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ تاریخ اور نفسیات کے اس سبق سے بھی غافل نہ تھی کہ جو قوم کسی دوسری قوم کی غلامی سے آزاد ہوتی ہے اس کے اندر مدتوں تک اس قوم کے خلاف شدید تعصب بلکہ انتقام کا جذبہ بھڑکتا رہتا ہے جو اس پر جبر و قہر سے حکومت کرتی رہی ہو۔ اس لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے مفاد کی خاطر یہ ضروری سمجھتی تھی کہ ہندوستان کا معاملہ ایسے طریقے سے طے کیا جائے جس سے تعصب انتقام کے وہ سارے جذبات جو اس کے خلاف بھڑک سکتے تھے خود ہندوستانیوں کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو جائیں اور انگریز دونوں کا یار غار بن کر رہے۔ اس غرض کے لئے برطانوی حکومت نے پہلے لارڈ ویول کو استعمال کرنا چاہا مگر معلوم نہیں کہ وہ چالاک کم تھا یا شریف زیادہ، بہر حال وہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین سیاسی بدمعاشی کا وہ کام انجام نہ دے سکا جو اسکی قومی حکومت اس سے لینا چاہتی تھی۔ آخرکار نگاہ انتخاب لارڈ ماؤنٹ بیٹن پر جا کر ٹھہری اور اس شخص نے آکر تقسیم ہند کا پورا نقشہ ایسے طرز پر بنایا جو لازمی اور قطعی طور پر وہی نتائج پیدا کر سکتا تھا جو اس نے فی الواقع پیدا کیے۔ کلکتہ، نواکھالی، بہار، گڑھ مکتیشور، راولپنڈی اور امرتسر کے واقعات کے بعد تقسیم ملک اور انتقال اختیارات کا جو ڈھنگ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اختیار کیا اس کو دیکھ کر ایک معمولی عقل و بصیرت رکھنے والا آدمی بھی یہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس سے ملک کے ایک بڑے حصے میں سخت خونریزی ہو کر رہے گی۔ اب اگر یہ ماؤنٹ بیٹن کا اناڑی پن تھا اور کوئی دانستہ چالاکی نہ تھی جسے اسکی قوم کی رضامندی حاصل ہوتی، تو جو ہولناک نتائج اس سے برآمد ہوئے انہیں دیکھ لینے کے بعد بجائے اسکے کہ اس شخص پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے جاتے، اس پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ ہونی چاہیے تھی اور لاکھوں انسانوں کے قتل اور ایک کروڑ سے زیادہ انسانوں کی خانہ بربادی کے بدلے میں اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جانا چاہیے تھا۔ لیکن اس کی سیاست دانی کی جو داد انگلستان میں دی گئی وہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ یہ سب کچھ دانستہ کیا گیا تھا اور اسے پوری انگریزی قوم کی رضامندی حاصل تھی۔ آج یہ اسی چالاکی کا کرشمہ ہے کہ ہندو اور مسلمان اور سکھ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں، اور وہ انگریز جو کل تک تینوں پر یکساں ظلم کر رہا تھا تینوں کا مشترک دوست ہے۔ مسلمان کے لیے ہندوستان کی اور ہندو اور سکھ کے لئے پاکستان کی زمین تنگ ہے مگر انگریز کے لئے ہر جگہ فراخی ہی فراخی ہے۔ انسانیت کے نقطۂ نظر سے آپ چاہے اسکو کتنا ہی بڑا جرم قرار دے لیں، انگریز کی قومی خودغرضی کے لحاظ سے یہ بالیقین ایک کامیاب ترین سیاسی چال تھی مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس پر زیادہ داد کا مستحق کون ہے؟ لارڈ ماؤنٹ بیٹن یا ہندوستان کے وہ اندھے سیاسی لیڈر جو تقسیم کے اس نقشے کی ساخت اور تکمیل میں ہر مرحلے پر اس کے شریک کار رہے!

باقی صفحہ ۲ پر دیکھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کا نظام حیات

[یہ ایک سلسلۂ تقاریر ہے جو ۶ جنوری سے ۱۶ مارچ ۴۸ء تک مختلف تاریخوں میں ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر کیا گیا تھا۔ اس میں اسلامی نظام زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اگرچہ ۱۵ منٹ کی ایک مختصر تقریر میں کسی موضوع کا بھی پورا پورا حق ادا نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس مجموعہ کا اتنا فائدہ ضرور ہے کہ اس میں بیک نگاہ اسلامی زندگی کا ایک جامع نقشہ آدمی کے سامنے آجاتا ہے۔ جن مقامات پر مضمون بہت تشنہ رہ گیا ہے وہاں توضیح مدعا کے لئے ہم نے ضروری حواشی کا اضافہ کر دیا ہے اور بعض مواقع پر حاشیہ میں حوالے بھی درج کر دیے ہیں تاکہ لوگوں کو وہ سند مل جائے جس سے کوئی بات اخذ کی گئی ہے۔ یہ حواشی نشر نہیں کئے گئے تھے بلکہ یہ بعد کا اضافہ ہیں۔ ہم ریڈیو پاکستان کے شکر گزار ہیں کہ اس نے یہ تقریریں شائع کرنے کی ہمیں اجازت مرحمت فرمائی۔]

۱۔ اخلاقی نظام

انسان کے اندر اخلاقی حس ایک فطری حس ہے جو بعض صفات کو پسند اور بعض دوسری صفات کو ناپسند کرتی ہے۔ یہ حس انفرادی طور پر اشخاص میں چاہے کم و بیش ہو، مگر مجموعی طور پر انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی کا اور بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے۔ سچائی، انصاف، پاس عہد اور امانت کو ہمیشہ سے انسانی اخلاقیات میں تعریف کا مستحق سمجھا گیا ہے، اور کبھی کوئی ایسا دور نہیں گزرا جب جھوٹ، ظلم، بدعہدی اور خیانت کو پسند کیا گیا ہو۔ ہمدردی، رحم، فیاضی اور فراخدلی کی ہمیشہ قدر کی گئی ہے

© rasailojaraid.com